# E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

## Subject / Course - M.A. Urdu

**Paper** : 07 – Daastan, Drama, Novel Aur Afsana

**Module Name/Title** : Fasana e Ajayeb

| DEVELOPMENT TEAM | |
|---|---|
| **CONTENT** | DDE, MANUU / Prof. Syed Mujawar Hussain Rizvi |
| **PRESENTATION** | Prof. Syed Mujawar Hussain Rizvi |
| **PRODUCER** | Md. Mujahid Ali |

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

# اکائی 7 : رجب علی بیگ سرورؔ اور فسانۂ عجائب

ساخت


7.1 تمہید

7.2 حیات

7.3 ادبی خدمات

7.4 فسانۂ عجائب کا تنقیدی جائزہ

7.4.1 پلاٹ

7.4.2 کردار نگاری

7.4.3 اسلوب

7.4.4 تہذیبی عناصر

7.5 نمونۂ اقتباسات برائے تشریح

7.6 خلاصہ

7.7 نمونۂ امتحانی سوالات

7.8 فرہنگ

7.9 سفارش کردہ کتابیں


## 7.1 تمہید

''فسانۂ عجائب'' اردو کی چند نمایاں داستانوں میں سے ایک ہے۔ یہ کتاب اپنے منفرد اسلوب کی وجہ سے اردو ادب کی تاریخ کا ایک اہم حصہ بن گئی ہے۔ اپنے مسجع، مقفیٰ اور مرصع انداز بیان کی وجہ سے ''فسانۂ عجائب'' لکھنؤ کی نثر کا شاہکار اور نمائندہ تصنیف سمجھی جانے لگی، حالانکہ دہلی اور لکھنؤ کی نثر کا یہ فرق محض ایک مفروضہ ہے۔ تحسین لکھنؤ کے رہنے والے نہیں تھے لیکن ان کی تصنیف ''نوطرز مرصع'' کی زبان ''فسانۂ عجائب'' کی طرح ہی رنگین اور مرصع و مسجع ہے۔ دراصل زبان کا یہ فرق علاقائی نہیں بلکہ مزاج اور عہد کا ہے۔ بہر حال سرورؔ کی یہ تصنیف اردو نثر کے تاریخی ارتقا کی ایک مثال قرار دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس عہد تک نثر کا کوئی معیار مقرر نہیں ہوا تھا اس لیے ہر شخص اپنے نزدیک جو بہتر خیال کرتا تھا وہی لکھ دیتا تھا۔ نثر کی تاریخ کے اعتبار سے ''فسانۂ عجائب'' کا مطالعہ خاصا اہم ہے۔

اس اکائی میں رجب علی بیگ سرورؔ کے مختصر حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد ان کی شہرۂ آفاق تصنیف ''فسانۂ عجائب'' کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ نمونۂ اقتباسات برائے تشریح کے تحت ''فسانۂ عجائب'' سے چند اہم اقتباسات دیے جارہے ہیں۔ اس کے علاوہ اس پوری بحث کا خلاصہ نیز امتحانی سوالات کے نمونے بھی درج کیے جارہے ہیں۔ مشکل الفاظ کی فرہنگ دی گئی ہے اور مزید مطالعے کے لیے چند اہم کتابوں کے نام بھی ''سفارش کردہ کتب'' کے تحت لکھ دیے گئے ہیں۔

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU
IMC LIBRARY
* Hyderabad-34.

## 7.2 حیات

سرورؔ کا زمانہ ہندوستانی سیاست میں افراتفری کا زمانہ تھا۔مغل سلطنت کمزور سے کمزورتر ہوتی جارہی تھی۔ دہلی کے شعرا لکھنؤ پہنچ چکے تھے۔ لکھنؤ تہذیب وتمدن کا مرکز بن گیا تھا۔ وہاں دہلی کی طرح معاشی بدحالی نہیں تھی۔ نوابین اودھ کے عیش ونشاط میں کمی نہیں تھی۔ جس کے اثرات اردو شعروادب پر پڑ رہے تھے۔ سرور اسی لکھنؤ میں 1200ھ بمطابق 1786ء کے آس پاس پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مرزا اصغرعلی بیگ تھا۔ سرور کے خاندان کے بارے میں زیادہ معلومات کسی ذریعے سے حاصل نہیں ہوتیں۔مخمور اکبرآبادی نے سرور کا آبائی وطن اکبرآباد لکھا ہے لیکن اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا۔ اس عہد کے رواج کے مطابق سرور نے بھی عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اگرچہ انہوں نے خود لکھا ہے کہ میں فارسی اور عربی سے ناآشنا ہوں لیکن یہ محض ان کی انکساری ہے کیونکہ سرور کو فارسی پر خاصی قدرت حاصل تھی۔ وہ نہ صرف فارسی شعرا کے کلام کا مطالعہ کرتے تھے بلکہ انہوں نے فارسی کی کئی کتابوں کے اردو ترجمے بھی کیے ہیں۔ سرور شعروادب کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم وفنون سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ موسیقی اور خطاطی سے انہیں کافی لگاؤ تھا' ان کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں علم نجوم سے بھی واقفیت تھی۔ ان علوم وفنون کے علاوہ فن سپہ گری میں بھی مہارت حاصل تھی۔ شاعری میں سرور آغا نوازش حسین خاں نوازش کے شاگرد تھے۔ لیکن بحیثیت شاعر انہیں کوئی خاص کامیابی نہیں مل سکی۔ انہیں بحیثیت نثر نگار ہی جانا اور مانا گیا۔

سرور کی آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں تھا۔ انہوں نے خوش حالی بھی دیکھی اور عسرت وتنگ دستی میں بھی وقت گزارا۔ اودھ کے نوابین سے بھی قربت رہی اور ناراضگی بھی۔ ناراضگی کے سبب کانپور میں جلاوطنی کے دن بھی گزارے۔ سرور نے اپنی طویل عمر میں نوابین اودھ کا عروج وزوال اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ واجد علی شاہ کی حکومت کے خاتمے کے بعد ان کی پریشانی کے دن شروع ہوگئے۔ سرور کی اس پریشان حالی کو دیکھ کر بنارس کے راجہ ایشری پرشاد نرائن سنگھ نے انہیں بلا بھیجا۔ اس وقت ان کی عمر 75 سال تھی۔ بنارس میں سرور نے گیارہ برس قیام کیا۔ پریشانیوں نے یہاں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ بالآخر 1286ھ بمطابق 1869ء میں وہ تمام پریشانیوں سے آزاد ہوگئے۔ بنارس میں ہی دفن کیے گئے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. رجب علی بیگ سرور کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

2. شاعری میں سرور کس کے شاگرد تھے؟

## 7.3 ادبی خدمات

رجب علی بیگ سرور کے ادبی سفر کا آغاز ''فسانۂ عجائب'' سے ہوتا ہے۔ اس کتاب کی تالیف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ 1240ھ میں سرور اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ وقت گزاری کے لیے کسی دوست نے ان سے کسی قصے کی فرمائش کی۔ سرور نے ایک قصہ بیان کیا۔ کچھ عرصے بعد ایک قتل کے الزام میں انہیں جلاوطن کردیا گیا۔ سرور کو لکھنؤ چھوڑ کر کانپور جانا پڑا۔ لکھنؤ اور دوستوں کی جدائی کے غم کو فراموش کرنے کے لیے تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کیا اور اسی سال یعنی 1240ھ بمطابق 1824ء میں ''فسانۂ عجائب'' کو تصنیف کیا۔ اس کتاب کو بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی۔ بقول ڈاکٹر نیر مسعود:

> ''فسانۂ عجائب'' کے ساتھ ہی سرورؔ کی شہرت اور مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوگیا اور لکھنؤ کے بہترین نثار اور داستان نگار کی حیثیت سے سرور کو ادبی حلقوں میں وہ امتیاز واقتدار رہا جو شاعر کی حیثیت سے انہیں ہرگز حاصل نہیں تھا۔''
>
> (رجب علی بیگ سرور از ڈاکٹر نیر مسعود' ص 93)

یہ سچ ہے کہ ''فسانۂ عجائب'' کو انیسویں صدی میں بہت مقبولیت ملی۔ اس مقبولیت کے سبب سرور کی زندگی میں ہی یہ کئی بار زیور طباعت سے آراستہ ہوئی اور ہر بار سرور نے اس کی تصحیح کی۔ کہا جاتا ہے کہ سرور نے اس کے متن میں اٹھارہ بار تبدیلی کی اور ہر سست فقرے کو چست کیا۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی مصنف کسی متن پر اس قدر محنت کرے گا تو اغلاط کے امکانات کم ہوں گے اور متن خوب سے خوب تر ہوتا چلا جائے گا۔

سرور کی تصنیف کردہ دوسری داستان ''شگوفۂ محبت'' ہے۔ اسے سرور نے 1272ھ بمطابق 1856ء میں لکھا۔ اس کتاب کا قصہ مہر چند کھتری کی تصنیف ''قصۂ ملک محمد و گیتی افروز'' سے ماخوذ ہے۔ جہاں تک کہانی کا تعلق ہے' روایتی داستانوں کے تقریباً تمام عناصر اس داستان میں بھی موجود ہیں۔ نہ صرف بادشاہ اور بادشاہ زادے کا قصہ ہے بلکہ مافوق الفطرت عناصر کی کارفرمائی بھی زیب داستان میں اضافہ کرتی ہے۔ کہانی کے مختلف اجزا دوسری داستانوں میں بھی مل جاتے ہیں۔ پروفیسر گیان چند جین نے اپنی تصنیف ''اردو کی نثری داستانیں'' میں اس داستان کے مختلف واقعات کے اجزا دوسری داستانوں میں دریافت کیے ہیں۔ ''شگوفۂ محبت'' کی زبان بہت کچھ ''فسانۂ عجائب'' سے ملتی ہے' ایک مثال ملاحظہ ہو:

> ''دیوار کے تلے نہر جاری تھی۔ اس کے متصل انگور کی تاک تھی۔ جو ہر نگار ستون کھپانچ کے بدلے روپہلی سنہری تیلیاں' خاتم بندی کا کام' خوشوں پر زربفت کی تھیلیاں۔ مستانہ وار ہر ایک جھومتا تھا۔ ولولے میں آن کے خوشے کو چومتا تھا۔ چمن کی روش پٹری خوش قطع ڈالی۔ ہر درخت کی ہموار کم و بیش چھانٹ ڈالی تھی ۔۔۔۔۔ اگر قوت نامیہ اس زمین کی تحریر کروں عجب نہیں جو چوب خشک خامہ یعنی نئے قلم بے قلم برگ نکالے ثمر آب دار لائے۔''
>
> (بحوالہ اردو کی نثری داستانیں' گیان چند جین' ص 563)

بحیثیت مجموعی سرور کی یہ تصنیف کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس داستان میں بھی اس عہد کے تہذیبی مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔

سرور کی تصنیف کردہ تیسری داستان ''گلزار سرور'' ہے۔ دراصل یہ کتاب ملا محمد رضی تبریزی کی فارسی تصنیف ''حدائق العشاق'' کا ترجمہ ہے۔ سرور نے ''گلزار سرور'' بنارس میں لکھی تھی' وہ 1275ھ میں بنارس پہونچے تھے اور وہاں کے مہاراجہ ایشری پرشاد نرائن سنگھ کی ہدایت پر یہ داستان فارسی سے اردو میں ترجمہ کی۔ یہ داستان ایک تمثیلی داستان ہے۔ تمثیلی داستان میں انسانی جذبات' حسیات' خصوصیات اور اوصاف کو مجسم و متشکل بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ کردار کا نام وہی ہوتا ہے جو اس کی صفت ہوتی ہے۔ چنانچہ ''گلزار سرور'' کا قصہ بالکل اسی ڈھنگ کا ہے۔ زبان و بیان کے نقطۂ نظر سے سرور کی یہ تصنیف جو کہ چند تصرفات کے باوجود ترجمہ ہی ہے' ''فسانۂ عجائب'' کے بعد دوسری اہم کتاب ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو تا کہ اس کی زبان اور اسلوب بیان سے آپ واقف ہوسکیں:

> ''نگاہ مست کی چھری خنجر براں سے تیز' خونریز دل و جگر پر پھر گئی۔ سہی قد' شمشاد بالا' نخل قامت' ہمسر شاخ طوبیٰ' چلے تو سرو پا بہ گل' طاؤس طناز خجل ہو۔ بیٹھے تو قیامت کا شور اٹھے جینا مشکل ہو ۔۔۔۔۔ آنکھ سے نرگس شہلا بیمار سینہ فگار' باز نظر شیر شکار' محراب ابرو دلبری میں طاق' سجدہ گاہ زاہد صد سالہ' چتون قزاق فتنۂ خوابیدہ کو چونکا کے اپنے عمل سے نکالا۔''
>
> (بحوالہ اردو کی نثری داستانیں' گیان چند جین' ص 568)

''شبستان سرور'' الف لیلیٰ کا ترجمہ ہے۔ اس کی تکمیل 1279ھ میں ہوئی۔ زبان کے اعتبار سے یہ سرور کے مزاج سے قطعی مطابقت نہیں رکھتی۔ ''فسانۂ عجائب'' اور ''گلزار سرور'' کی مرصع اور مقفیٰ عبارت کے برعکس ''شبستان سرور'' کی زبان بے حد سہل اور آسان ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

> ''دنیا تو سرا ہے' صرف دم لینے کا ٹھیکہ ہے۔ سوداگر نے یہاں سے کوچ کیا۔ بیٹا مالک مال و دولت ہوا۔ وہ تاجر باوجود دولت نقد جنس کے کثرت سے دنی تھا۔ کبھی جھوٹے ہاتھ سے کتے کو مارا نہ تھا' بلکہ دوسرے کا دینا گوارا نہ تھا۔''
>
> (بحوالہ اردو کی نثری داستانیں' گیان چند جین' ص 570)

سرور نے ''شرارِ عشق'' کے نام سے ایک مختصر قصہ بھی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ایک اور تصنیف ''فسانۂ عبرت'' بھی ہے، جس میں انہوں نے اودھ کے آخری چار بادشاہوں کے حالات بیان کیے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے یہ کتاب بہت اہم ہے۔ فارسی کی ایک اور کتاب ''شمشیر خانی'' کا ترجمہ بھی کیا اور اسے ''سرور سلطانی'' کا نام دیا۔ یہ کتاب سرور کی زندگی کے آخری ایام کی دین ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''شمشیر خانی کو اردو میں لکھ کر ''سرور سلطانی'' نام رکھا اور بہت صاف اردو میں لکھا ہے۔ الغرض بوڑھاپے کے دن نکمّے ہوتے ہیں۔ گھر میں بیٹھا تمام کرتا تھا، پیری کی صبح شام کرتا تھا۔''
>
> (انشائے سرور، ص 11)

سرور کے مکاتیب کا مجموعہ بھی ''انشائے سرور'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ بحیثیت مجموعی سرور ہمارے ادب کے ان اکابرین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اردو نثر کے اس اسلوب کو رواج دینے کی کوشش کی جو ان کے عہد کا مروجہ اور پسندیدہ اسلوب تھا۔ یہ اور بات ہے کہ زمانے کا فیصلہ اس کے برعکس رہا ہو۔ آخر آخر میں خود سرور مشکل پسندی سے آسان اسلوب اظہار کی طرف آ گئے تھے گو کہ انہوں نے اس کا سبب فطرت اور طبیعت کے تقاضے کے بجائے قویٰ کا کمزور ہونا بتایا ہے۔ سرور کا اسلوب اپنے اندر ایک انفرادیت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ طرز بیان کی مرصع و مقفیٰ شکل گو کہ آج رائج نہیں ہے لیکن سرور کی تصنیف فسانۂ عجائب کی اہمیت آج بھی مسلم ہے۔

### اپنی معلومات کی جانچ

1. سرور کی تصنیف ''شگوفۂ محبت'' کا قصہ کس مشہور داستان سے ماخوذ ہے؟
2. تمثیلی داستان سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

## 7.4 فسانۂ عجائب کا تنقیدی جائزہ

''فسانۂ عجائب''، رجب علی بیگ سرور کا طبع زاد قصہ ہے لیکن اس عہد میں رائج دوسرے قصوں سے مختلف نہیں ہے۔ اس میں عام طور پر وہی کہانیاں موجود ہیں جو اس زمانے کی کسی نہ کسی داستان میں شامل ہیں۔ یوں تو اس میں شاہزادہ جانعالم اور شاہزادی انجمن آرا کے عشق کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ لیکن اس میں کہیں مہجور کی ''گلشن نوبہار'' کی جھلک دکھائی دیتی ہے، کسی جگہ میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' کا عکس نظر آتا ہے۔ کبھی ''داستان امیر حمزہ''، ''بہار دانش'' اور ''پدماوت'' کا فیض دکھائی دیتا ہے۔ ممکن ہے سرور نے براہ راست ان رائج الوقت قصوں سے استفادہ نہ کیا ہو۔ لیکن لاشعوری طور پر ان کے اثرات ''فسانۂ عجائب'' پر ضرور پڑے ہیں۔ ڈاکٹر اطہر پرویز اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

> ''ہر چند اس میں جو واقعات ملتے ہیں وہ اس زمانے کی اکثر کتابوں میں نظر آتے ہیں لیکن اس میں نقالی کا جذبہ نہیں بلکہ اپنے زمانے کی تہذیبی و معاشرتی روایات کو اختیار کرنے کا جذبہ ہے اور مجھے تو یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ یہ عمل بھی غیر شعوری ہوگا۔ اس کے بیچ کوئی جانا بوجھا اور سوچا سمجھا رویہ نہیں معلوم ہوتا۔''
>
> (مقدمہ فسانۂ عجائب مرتبہ ڈاکٹر اطہر پرویز، ص 138)

### 7.4.1 پلاٹ

''فسانۂ عجائب'' کا قصہ ''باغ و بہار'' ہی کی طرح شروع ہوتا ہے یعنی ایک بادشاہ جس کا نام فیروز بخت ہے ملک ختن پر حکومت کرتا ہے اس کے عہد میں تمام خلقت شہر خوش حال ہے۔ چور مسافر کے مال کا نگہبان ہے ڈاکو پاسبانی کا عہدہ لیے ہوئے ہیں۔ خزانہ لاانتہا اور وزیر و امیر جانفشاں ہیں ''لیکن باایں حکومت و ثروت کا نشانۂ امید کا چراغ گُل تھا''، یعنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ساٹھ برس کی عمر میں ایک فرزند کی ولادت ہوتی ہے۔ نجومیوں کے مطابق دوسری داستانوں کی طرح شاہزادہ جانعالم بھی پندرہ برس کی عمر میں ایک توتے کی وجہ سے گھر سے بے گھر ہو جاتا ہے۔ اور داستان باقاعدہ

شروع ہو جاتی ہے۔یعنی عشق اور اس سے وابستہ مہمات اور مصائب کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جان عالم کو توتے ہی کی زبانی شاہزادی انجمن آرا کے بارے میں معلوم ہوتا ہے۔توتا شاہزادے سے کہتا ہے:

''میں نے ہر چند چاہا' آپ رنج سفر' مصائب شہر بشہر' ایذائے غربت سے باز رہیں کہ سفر اور سقر کی صورت ایک ہے' اس سے بچنا نیک ہے' مگر معلوم ہوا کہ حضور کے مقدر میں یہ اور لکھا ہے۔ میرا قصور اس میں کیا ہے۔''

دراصل توتے سے انجمن آرا کا ذکر سنتے ہی جانعالم کا ''دل پرزے پرزے اور دماغ عقل سے خالی'' ہو جاتا ہے۔ غائبانہ عشق سر پر سوار ہوتا ہے۔توتے کی مدد چاہتا ہے توتے کو پچھتاوا بھی ہوتا ہے کہ کیوں اس کے سامنے انجمن آرا کا ذکر کیا۔انجام کار توتے کی رہبری میں شاہزادہ وطن سے رخصت ہوتا ہے۔

ہندوستان کی کہانیوں میں توتا ایک اہم کردار کی حیثیت سے نظر آتا ہے پدماوت اور بہار دانش میں بھی توتا رہنمائی کرتا ہے۔

بہر حال شاہزادے کا سفر شروع ہو جاتا ہے توتا راستے میں اڑ جاتا ہے' وزیرزادہ بچھڑ جاتا ہے اور شاہزادہ ایک طلسم میں گرفتار ہوتا ہے۔نقش سلیمانی کی مدد سے رہائی ملتی ہے۔وادیٔ فرحناک میں پہنچتا ہے۔ملکہ مہر نگار سے ملاقات ہوتی ہے:

''جیسے ہی ملکہ کی نگاہ چہرۂ بے نظیر' صورت دلپذیر' جان عالم پر پڑی۔۔۔مشاطۂ حسن و عشق نے پیش قدمی کر متاع صبر وخرد' نقد دل و جان' اثاثِ ہوش وحواس' تاب و توان ملکۂ جگر فگار ارمغان رونمائی میں نذر شاہزادۂ والا تبار کیا۔ عقل و دانش گم صُم' بکم' کا نقشہ ہوا' حضرت عشق کی مدد ہوئی۔''

شاہزادہ جانعالم واپسی کا وعدہ کر کے مہر نگار سے رخصت لیتا ہے اور انجمن آرا کے شہر زرنگار میں پہنچتا ہے۔انجمن آرا کو ایک جادوگر کی قید سے چھڑاتا ہے۔اور اس سے مل کر دل کا حال سناتا ہے۔انجمن آرا کا باپ جانعالم سے خوش ہو کر دونوں کی شادی منظور کر لیتا ہے۔دونوں کی شادی ہو جاتی ہے لیکن کہانی اتنی جلد ختم نہیں ہوتی۔ جب جانعالم شاہزادی کو لے کر وطن واپس جاتا ہے تو راستے میں بہت سے واقعات اور حادثات کا شکار ہوتا ہے اور قصہ طویل ہو جاتا ہے۔بالآخر اپنے وطن پہنچتا ہے:

''غرضکہ شہزادہ جانعالم' منزل بہ منزل' مسافت طے کر' مع الخیر وطن پہنچا۔۔۔جانعالم کی ماں نے انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کو دیکھا' جان و دل دونوں پر نثار کیا۔ بہت سا پیار کیا۔۔۔القصہ باہم بے رنج والم رہنے لگے سب شاد ہر روز خنداں وخرم وفرحاں بسر کرنے لگے۔ نئے سر سے وہ اُجڑا شہر بسا۔ بنائے ظلم وستم منہدم ہوئی۔ مروج عدل وداد ہوا۔''

''فسانۂ عجائب'' کا پلاٹ دوسری داستانوں کی طرح نہ تو غیر مربوط ہے اور نہ پیچیدہ' اس میں وحدت اور تسلسل دونوں ہیں۔ پلاٹ کے اسی اکہرے پن کی وجہ سے بعض ناقدین نے ''فسانۂ عجائب'' کو ناول کا پیش رو بھی کہا ہے۔جب کہ سرور نے ''فسانۂ عجائب'' میں داستان کے تمام اجزا کا لحاظ رکھا ہے یعنی اس میں دوسری داستانوں کی طرح بادشاہ' شاہزادے' شاہزادیاں' وزیرزادے' جادوگر' مافوق الفطرت عناصر' وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔ داستان میں فوق الفطرت عناصر کو شامل کر کے اُسے نہ صرف دلچسپ بنایا جاتا ہے بلکہ حیرت کی فضا بھی پیدا کی جاتی ہے۔''فسانۂ عجائب'' میں بہت سے دلچسپ عناصر شامل کیے گئے ہیں مثلاً توتے کا بات چیت کرنا' قالب کی تبدیلی' انجمن آرا کے کٹے ہوئے سر سے خون کی بوند ٹپکنا اور دریا میں گرنے پر اس کا لعل بننا' جان عالم اور انجمن آرا کا توتا بن کر اڑنا وغیرہ۔

### 7.4.2 کردار نگاری

''فسانۂ عجائب'' کا اختصار اور قصے کے اکہرے پن کی وجہ سے اس میں کرداروں کی بھرمار بھی نہیں ہے۔ جان عالم اور انجمن آرا کے علاوہ

ملکہ مہر نگار، ماہ طلعت اور وزیرزادے کے کردار اہم ہیں۔ چڑیمار، دیو، دیونی، سوداگر، جوگی، انجمن آرا کا باپ وغیرہ بھی متحرک نظر آتے ہیں۔ توتے نے بھی اس داستان میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے ''فسانۂ عجائب'' کی کردار نگاری سے متعلق لکھا ہے:

> ''فسانۂ عجائب کی کردار نگاری میں کوئی غیر معمولی تابنا کی نہیں۔ ہیرو اور ہیروئن اسی نقشے مہرے کے ہیں جیسے دوسری داستانوں کے۔ دونوں مثالی اوصاف کی پوٹ ہیں لیکن ہم ان سے متاثر نہیں ہوتے۔ ان سے کہیں زیادہ دلنشین کردار مہر نگار کا ہے۔ یہ خوش بیان، طرّار، ذہین اور وفادار ہے۔ اس کی ذہانت اور عذب البیانی کے آگے انجمن آرا کا کردار ماند پڑ جاتا ہے۔''

(اردو کی نثری داستانیں۔ ص 536)

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ شاہزادہ جانعالم ''فسانۂ عجائب'' کا مرکزی کردار ہے۔ یہ کردار بھی کافی متحرک کردار ہے۔ داستانوں کے روایتی ہیرو کی طرح مثالی ہے۔ اس میں انسانی خوبیاں اور کمزوریاں سب نظر آتی ہیں۔ لیکن داستان گو کے نزدیک شاہزادہ تمام خوبیوں کا مالک ہے۔ حسن میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ میدانِ جنگ میں اس کا کوئی مقابل نہیں، میدانِ عشق میں صادق، مصائب میں صابر، سرور لکھتے ہیں:

> ''تحصیل علم و فضل میں شہرۂ آفاق ہوا، جتنے فن سپہ گری ہیں ان کا مشّاق کامل، جمیع علوم ہر فن میں طاق ہوا۔''

لیکن سرور نے جان عالم کے اندر وہ نسوانی حسن اور حرکات بھی دکھائی ہیں جن کے لیے نوابین اودھ بدنام ہیں۔ عبدالحلیم شرر اور آغا حیدر دہلوی نے نوابین اودھ کی حرکات و خصلات کے بارے میں اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کے شاہزادے کے حسن و جمال کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

> ''کیا عرض کروں غلام کی نظر سے اس سج دھج کا پری پیکر آج تک از قسم بشر نہیں گزرا۔۔۔ جو حضور ملاحظہ فرمائیں گے شہزادی کو بھول جائیں گے۔''

ان خصائل کے باوجود جانعالم میں عزم، حوصلہ اور استقلال ہے، وہ شاہزادی کی جستجو میں نکلتا ہے تو راہ میں کہیں رُکتا نہیں۔ ملکہ مہر نگار کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔ شاہزادی انجمن آرا کو حاصل کرنے کے لیے سخت مصیبتوں سے بھی بآسانی گزر جاتا ہے۔ البتہ بعض مقامات پر اس سے حماقتیں بھی سرزد ہوتی ہیں۔ مجموعی طور پر جانعالم کا کردار ایک ایسا داستانوی کردار ہے جو لکھنوی معاشرت کی پیداوار ہے۔

''فسانۂ عجائب'' کا دوسرا مرکزی کردار انجمن آرا کا ہے۔ قصے کی ابتدا اسی کے عشق میں شاہزادے کے مبتلا ہونے سے شروع ہوتی ہے۔ یہ شاہزادی مشرقی اوصاف رکھنے والی عورت ہے۔ بقول ڈاکٹر اطہر پرویز:

> ''انجمن آرا سیدھا سادا محبوب کردار ہے جس سے محبت کی جاسکتی ہے۔۔۔ انجمن آرا مشرقی تمدن کی غمازی میں ذرا مبالغے سے کام لیتی ہے۔ سرور نے اس پر خاصا زور بھی دیا ہے۔''

(مقدمہ فسانۂ عجائب، ص 96)

''فسانۂ عجائب'' کے کردار ملکہ مہر نگار کو سبھی ناقدین نے سراہا اور قصے کا سب سے کامیاب اور جاندار کردار کہا ہے۔ ڈاکٹر نیّر مسعود نے تو ملکہ مہر نگار ہی کو ہیروئن مانا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ملکہ کا کردار انجمن آرا سے زیادہ باوقار کردار ہے:

> ''سرور نے ملکہ مہر نگار کے دل آویز کردار کو اس چابک دستی سے پیش کیا ہے کہ وہ فسانۂ عجائب کو مسحور کر لیتی ہے۔''

(رجب علی بیگ سرور از نیر مسعود، ص 209)

ملکہ مہر نگار سے جانعالم کی ملاقات انجمن آرا کی تلاش کے سفر میں ہوتی ہے۔ یہ انتہائی سمجھدار اور دور اندیش خاتون ہے۔ جانعالم پر عاشق

ہوتی ہے لیکن صبر واستقلال کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ جانعالم کو اس کے سفر سے روکتی نہیں۔ سرور بھی اسے بانئ مہر و وفا کہتے ہیں۔ اس کا باپ بھی شہنشاہ ہے اور حسن و جمال میں بھی وہ کسی سے کمتر نہیں ہے:

> ''جمال ملکۂ مہر نگار بھی' سحر سامری نمونہ' مہ و مہر سے دونا' عابد کش زاہد فریب تھا جانعالم بھی بے چین ہوا' مگر دامنِ ضبط' دستِ استقلال سے نہ چھوڑا۔''

مہر نگار حسین وجمیل ہونے کے ساتھ ساتھ متحرک' عقلمند اور موقع شناس بھی ہے۔ جانعالم کو وزیر زادے کے فریب سے نکالتی ہے اور اس غداری کا انتقام موت کی صورت میں لیتی ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر سید ضمیر حسن دہلوی کا کہنا ہے کہ ''ملکہ مہر نگار کے سامنے انجمن آرا کے کردار کو گہن لگ جاتا ہے۔'' ملکہ کا کردار ایک حقیقی انسان کا کردار ہے وہ داستانوں کی شاہزادیوں سے مختلف ہے اس کے یہاں رفاقت اور ہمدردی بھی ہے' شفقت اور محبت بھی۔ ڈاکٹر گیان چند کے الفاظ میں ''کردار نگاری کی جان مہر نگار ہے'' اور رام بابو سکسینہ کا خیال ہے:

> ''قصے میں کریکٹر نویسی کم ہے مگر اس میں شک نہیں کہ ملکہ مہر نگار کے کریکٹر میں سچی محبت باوفائی' دلیری' معاملہ فہمی' جرأت اور متانت و بردباری کو نہایت واضح طریقے سے دکھایا ہے۔''
>
> (تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ مترجم حسن عسکری' ص 426)

ان کے علاوہ ''فسانہ عجائب'' میں ماہ طلعت' وزیر زادہ اور چڑی مار کے کردار قابل ذکر ہیں۔

### 7.4.3 اسلوب

داستانیں موضوع اور کردار کے اعتبار سے بہت کم مختلف ہوتی ہیں۔ عموماً سبھی داستانوں میں بزم' رزم اور عشق موضوع ہوتا ہے۔ شاہزادے شاہزادیاں' دیو' پری' جن وغیرہ کردار ہوتے ہیں۔ جو بات ان داستانوں میں فرق پیدا کرتی ہے وہ ہے ان کا اسلوب اور ان میں معاشرت کا بیان۔ اس لحاظ سے ''فسانہ عجائب'' کا مطالعہ کافی اہم ہے۔ ''فسانہ عجائب'' کے طرز بیان نے انیسویں صدی کی نثر کو بہت متاثر کیا۔ ''باغ و بہار'' کی سلاست اور سادگی کی ڈگر سے ہٹ کر لکھی جانے کے باوجود ''فسانہ عجائب'' کی نثر اپنے عہد میں بہت مقبول ہوئی۔ اسی مقبولیت کے سبب بار بار اس کی طباعت عمل میں آئی۔ ''باغ و بہار'' کو اپنی سادگی اور سلاست کی وجہ سے قبول عام نصیب ہوا تھا اور اس کے جواب میں لکھی گئی ''فسانہ عجائب'' اپنے مقفیٰ' مسجع اور مرصع اسلوب کی وجہ سے پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی۔ ''فسانہ عجائب'' کی تخلیق کے وقت تک لکھنؤ کے دربار کی آرائش و زیبائش اور پر تکلفانہ ماحول ختم نہیں ہوا تھا۔ اس پُر تکلفی کے اثرات براہ راست شعر و ادب پر بھی پڑ رہے تھے۔ ''فسانہ عجائب'' کی پر تکلف نثر اسی لیے اس دور میں پسند کی گئی۔ وقار عظیم لکھتے ہیں:

> ''فسانہ عجائب'' ایسے طرز میں لکھی گئی جو اس زمانے اور اس خاص ماحول کا پسندیدہ طرز ہے جس میں وہ اختیار کیا گیا ہے اور طرزِ خاص میں سرور کی شخصیت کا رنگ ہر جگہ چھایا ہوا ہے اور اس نے بہت سے عیبوں کے باوجود اس میں بعض امتیاز پیدا کیے ہیں۔''
>
> (ہماری داستانیں' ص 381)

''فسانہ عجائب'' کا امتیاز اس کے اسلوب اور معاشرت کے بیان ہی میں مضمر ہے۔ ''فسانہ عجائب'' کا طرز بیان ''نوطرز مرصع'' سے مختلف ہے۔ ''نوطرز مرصع'' کے انداز میں ابتدا تا آخر تقریباً یکسانیت ہے یعنی دقیق الفاظ' نامانوس تراکیب' تشبیہات اور استعارات کی بہتات ہر جگہ موجود ہے اس کے برعکس ''فسانہ عجائب'' میں عام طور پر ہر باب کے ابتدائی پیراگراف میں سرور مقفیٰ' مرصع' نثر اور فارسی تراکیب کا استعمال ضرور کرتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر میں سادگی کی طرف گامزن ہو جاتے ہیں۔ وہ زیادہ دور اور دیر تک مصنوعی نثر نہیں لکھتے۔ اسے قصہ گو کی خوبی بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ قصے کی ابتدا پُر شکوہ انداز میں کر کے نہ صرف سامعین کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتا ہے بلکہ اپنی علمیت اور لیاقت کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اس کے بعد وہ

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE • MANUU • Hyderabad-34 • IMC LIBRARY

قصے کو عام فہم زبان دے دیتا ہے تاکہ قصے میں سامعین کی دلچسپی برقرار رہے اور وہ زبان کے پیچ وخم میں نہ الجھیں۔ داستان کی ابتدا سرور نے اس انداز سے کی ہے:

''گرہ کشایانِ سلسلۂ سخن' تازہ کنندگانِ فسانۂ کہن' یعنی محرّرانِ رنگیں تحریر' ومورخانِ جادو تقریر نے اشہب جہندۂ قلم کو میدانِ وسیع بیاں میں باکرشمۂ سحر ساز ولطیفہ ہائے حیرت پرداز گرم عنان وجولان یوں کیا ہے کہ سرزمین ختن میں ایک شہر تھا مینو سواد' بہشت نژاد' پسند خاطر محبوبانِ جہان' قابل بودو باش خوبانِ زماں' شمیم صفت' اس کی معطر کن دماغ جاں مسکن التہاب قلب واقع خفقاں' زمین اس کی رشک چرخ بریں' رفعت وشان چشمک زن بلندیٔ فلک ہفتمیں' گلی کوچہ خجلت دہ گلشن آبادی گلزار' بسان تختہ چمن' بازار ہر ایک بے آزار مصفا ہموار' دوکانیں نفیس' مکان نازک' پائدار' خلق خدا با خاطر شاد' اسے فسحت آباد کہتی تھی۔''

لیکن جب قصہ آگے بڑھتا ہے تو ابتدا ہی میں یہ انداز بدل جاتا ہے اور قصہ عام زبان میں بیان ہونے لگتا ہے:

''بیان اس کا محال ہے' مگر مختصر سا یہ حال ہے' عقل اس کام میں دور ہو جاتی ہے' وحشت نزدیک آتی ہے۔ لب خشک' چشم تر' چہرہ زرد' دل خون ہوتا ہے' بھوک پیاس مر جاتی ہے۔ خواب میں نیند نہیں آتی ہے' جان شیریں تلخ ہو' کلیجے میں درد' آخر کو جنون ہوتا ہے' لختِ جگر کھاتا ہے' خونِ دل پیتا ہے۔ مرمر کے جیتا ہے۔۔۔ جنگل میں جی لگتا ہے' بستی اجاڑ معلوم ہوتی ہے۔ دربدر پھرنے میں دن تو کٹ جاتا ہے' تنہائی کی رات پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔ دل جلتا ہے' دیدے سے دریا ابلتا ہے۔ شجر تمنا بے برگ و بار رہتا ہے' پھولتا ہے نہ پھلتا ہے۔''

''فسانۂ عجائب'' کے بارے میں عام رائے بنی ہوئی ہے کہ اس کی زبان مشکل ہے اور اس پر فارسیت کا غلبہ ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بعض مقامات پر تو ضرور ''فسانۂ عجائب'' میں ''نوطرز مرصع'' کے اثرات دکھائی دیتے ہیں لیکن اکثر جگہوں پر ''باغ و بہار'' کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔ جو کچھ فرق ہے وہ ماحول کے تکلفات کا ہے جس کے لیے لکھنؤ آج بھی مشہور ہے۔ ڈاکٹر گیان چند کا یہ بیان کہ ''عربی فارسی کی افراط' مقفیٰ ومسجع فقرے' استعاروں کی نکتہ سنجی' ایہام کی موشگافی' مبالغے کا زور اور اطناب بے جا فسانۂ عجائب کے عناصر ترکیبی ہیں۔'' کچھ زیادہ ہی ناقدانہ ہے جب کہ ''فسانۂ عجائب'' کی عبارت کا بیشتر حصہ ایسا نہیں ہے۔ قصے میں شاہزادیوں کی زبان تو بالکل سادہ اور روزمرّہ ہے۔ جان عالم جو مرکزی کردار ہے۔ تمام شان و شوکت اس کے اردگرد ہے' جب بات کرتا ہے تو عام آدمی لگتا ہے مثلاً:

''شاہزادے نے مسکرا کر کہا' مصیبت خیلا تجھ پر پڑی ہوگی۔ معلوم ہوا یہاں آفت زدے آتے ہیں' کہو تو تم سب کی کیا کمبختی' ایاموں کی گردش نصیبوں کی سختی ہے' جو خاک پھانکتی' مسافروں کو تاکتی جھانکتی' چڑیلوں کی طرح ناکام سرِشام پھرتی ہو۔''

شہزادیوں کی گفتگو تو ''باغ و بہار'' کے نسوانی کرداروں سے زیادہ مختلف نظر نہیں آتی۔ ملکہ مہر نگار جان عالم سے کہتی ہے:

''تم کوئی زور چیز ہو' یکہ وتنہا' ٹٹو نہ گھوڑا' گٹھری نہ بقچہ' ننگا لچا' وہی مثل ہے۔ رہے جھونپڑے میں' خواب دیکھے محلوں کا' ہر بات میں ٹھنڈی گرمیاں کرتے ہو' جو یہی خوشی ہے تو لو۔''

اور شاہزادی انجمن آرا جو داستان کی ہیروئن ہے' اس انداز سے بات کرتی ہے:

''میری قسمت کمبخت بری ہے' ایک مصیبت سے چھٹرا' دوسری آفت میں پھنسایا' ہر دم کے طعنے' اپنے بیگانے کے سننے پڑے کہ یہ آیا مجھے قید سے چھڑایا۔ خدا جانے وہ کون ہے' کہاں سے آیا ہے' اپنے تئیں شاہزادہ بتایا ہے۔ میں آپ کی لونڈی ہوں' بہر صورت فرمانبردار' اگر کنوئیں میں جھونک دو' چاہ سے گر پڑوں' اُف نہ کروں۔''

''فسانۂ عجائب'' کا اسلوب اپنے اندر ادبیت لیے ہوئے ہے۔ سرور بالکل عامیانہ سطح پر نہیں اترتے۔ کیونکہ ان کے قارئین کا تعلق سطحی لوگوں سے نہیں ہے اس عہد کے تعلیم یافتہ طبقے سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''فسانۂ عجائب'' اس طبقے میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ سرور داستان کی عبارت کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے بار بار اسے سنوارتے ہیں۔ ان کی متعدد بار کی اصلاح سے ''فسانۂ عجائب'' میں روانی اور سلاست پیدا ہو جاتی ہے۔ کہیں پیچیدگی اور ابہام نظر نہیں آتا ''فسانۂ عجائب'' کے اسلوب پر ڈاکٹر مسیح الزماں کا یہ تبصرہ بالکل مناسب معلوم ہوتا ہے:

> ''سرور کا کمال اور ان کے فن کی کامیابی یہ ہے کہ مروجہ پابندیوں کے باوجود ان کی عبارت میں ایسی بے ساختگی اور شگفتگی باقی ہے کہ عبارت میں الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک اپنے رنگ کی کتابوں میں ''فسانۂ عجائب'' کو جو امتیاز حاصل ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی عبارت میں تصنع اور تکلف ہونے کے باوجود ایک ایسی شیرینی اور دلکشی ہے کہ آدمی کو اس کے پڑھنے میں الجھن نہیں ہوتی اور زیادہ تر جگہوں پہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص کوشش سے لکھی گئی ہے۔''
> (تعبیر، تشریح، تنقید۔ ص 25)

''باغ و بہار'' دراصل ''ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو'' کے لہجہ میں لکھی گئی ہے۔ اس لیے اس میں کہیں کہیں بہت عامیانہ پن آ گیا ہے بلکہ ''باغ و بہار'' میں شاہی خواتین بھی کبھی کبھی انتہائی عامیانہ زبان استعمال کرتی ہیں جو ان کے شایان شان معلوم نہیں ہوتی۔ واقعی وہ ''دلی کے روڑے'' معلوم ہوتے ہیں۔ جبکہ ''فسانۂ عجائب'' کی زبان تحریری زبان ہے اور جس کی نوکِ پلک بار بار درست ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کے لہجہ میں ایک خاص رکھ رکھاؤ، نفاست اور شائستگی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند تو ''فسانۂ عجائب'' کی عظمت کا راز ہی اس کے مرصع اسلوب میں بتاتے ہیں۔ عام طور پر داستان کے نقادوں نے ''فسانۂ عجائب'' کو سرسری طور پر لیا ہے اور ''باغ و بہار کی موجودگی میں اس کو فارسی و عربی آمیز غیر مانوس نثر کہہ کر گزر گئے ہیں۔ اس کی ''عظمت کے راز'' کو خامی بتا کر آگے بڑھ گئے ہیں۔ ادب کی ہر عہد میں دو سطح ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو محض تفنن طبع کے لیے لکھا جاتا ہے، جس کی عمر بہت مختصر ہوتی ہے۔ اس طرح کے ادب کی زبان و بیان کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ آج بھی اس طرح کے ہزاروں ناول لکھے جاتے ہیں۔ ادب کی دوسری سطح معیاری ادب کی ہوتی ہے۔ جس میں مصنف کا مخصوص اسلوب اور فکر شامل ہوتی ہے۔ یہ ابلی ہوئی سبزی کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اس کی تخلیق میں تخلیقی کرب شامل ہوتا ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کی تخلیق ایسے ہی تخلیقی کرب کا نتیجہ ہے۔ مصنف نے بار بار اپنی تحریر کو پرکھا اور سنوارا ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کی نثر سرور کے نزدیک سہل ممتنع ہے۔ بلاشبہ اس عہد میں سہل ممتنع کی یہی صورت رہی ہوگی۔ سرور لکھتے ہیں:

> ''نظر ثانی میں جو لفظ دقّت طلب غیر مستعمل عربی، فارسی کا مشکل تھا، اپنے نزدیک اُسے دور کیا اور جو کلمہ سہل ممتنع محاورے کا تھا، رہنے دیا۔ دوست کی خوشی سے کام رکھا۔''
> (فسانۂ عجائب، ص 129)

دوست کی خوشی یہی تھی کہ ایسی زبان لکھی جائے کہ جس کا مطلب پوچھنے فرنگی محل نہ جانا پڑے۔ سرور کو شاعری سے بے حد دلچسپی تھی۔ چالیس برس کی عمر تک شاعری ہی ان کے جذبات و احساسات کے اظہار کا ذریعہ تھی۔ شاعری سے دلچسپی ''فسانۂ عجائب'' میں بھی نظر آتی ہے۔ اوّل تو یہ کہ فسانۂ عجائب کی نثر ہی شاعرانہ ہے۔ دوسرے یہ کہ قصے کے تقریباً ہر صفحے پر اشعار موجود ہیں۔ یہ اشعار خود سرور اور ان کے استاد نوازش کے ہیں۔ ان کے علاوہ حافظ، جامیؔ، سعدیؔ، میرؔ، سوداؔ، میر حسنؔ، سوزؔ، جرأتؔ، مصحفیؔ وغیرہ کے اشعار بھی شامل ہیں۔ بعض مقامات پر اشعار کی شمولیت بے محل معلوم ہوتی ہے۔

### 7.4.4 تہذیبی عناصر

''فسانۂ عجائب'' میں لکھنؤ کی معاشرت کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ پورے قصے میں سرور کی لکھنؤ سے محبت اور وابستگی نظر آتی ہے جب کہ یہ قصہ کانپور کے قیام کے دوران لکھا گیا ہے۔ لکھنؤ کی پوری تصویر تو سرور نے قصے کے آغاز سے قبل ہی ایک باب کی شکل میں پیش کر دی ہے۔ قصے میں جہاں کہیں بھی کسی شہر کا ذکر آیا ہے اس بیان میں بھی لکھنؤ ہی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے زرنگار کا بیان:

''دروازے سے آگے بڑھا' شہر دیکھا' قطعہ ارُ ہموار' قرینے سے بازار' کرسی ہر دکان کی کمر برابر' مکان ایک سے ایک بہتر و برتر' بیچ میں نہر' جابجا فوارے' عمارات شہر پناہ کے میل کے' جواہر نگار سانچے کے ڈھلے۔ ہاتھ کا کام معلوم نہ ہوتا تھا نہ کہیں بلندی نہ پستی' ہموار بسی ہوئی بستی' ایک کا جواب دوسری طرف۔ ادھر ہزار تو ادھر بھی صرّاف کے مقابل صرّاف' بازار کا صحن' نفیس شفاف' جوہری کے روبرو جوہری' زر و جواہر کا ہر سمت ڈھیر' نقد و جنس سے ہر شخص سیر۔۔۔حلوائی' نانبائی' کنجڑے قصائی' سقّوں کے کٹوروں کی جھنکار' میوہ فروشوں کی پکار' دلالوں کی بول چال' جہاں کا اسباب و مال' نہر کی کیفیت جدا' قدِ آدم آب مصفّا' فوّاروں سے کیوڑہ گلاب اچھلتا' بازار مہک رہا' ہر طرف دھوم دھام خلقت کا اژدہام۔''

یہی کیفیت اس عہد کی دلی کی بھی تھی۔ لیکن لکھنؤ میں زیادہ خوشحالی تھی۔ سارا شہر جنت نظیر بنا ہوا تھا۔ ہر طرف عیش و نشاط اور رقص و سرود کی محفلیں آراستہ تھیں۔ اس عہد میں لکھنؤ شمالی ہند کا خوبصورت شہر تھا۔ ''فسانۂ عجائب'' میں ابتدا سے آخر تک لکھنوی تہذیب کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ شاہی درباروں اور حرم سراؤں کی شان و شوکت اور ناز و نعم سے لے کر رسم و رواج تک سب کچھ اس قصے میں سما گیا ہے۔ لکھنؤ کی جو تہذیب میر حسنؔ کی مثنوی ''سحر البیان'' میں دکھائی دیتی ہے اس کی واضح شکل فسانۂ عجائب میں موجود ہے۔ رہن سہن' بول چال' زیورات و پوشاک' اخلاقی اقدار' انداز فکر تو ہمات غرض کہ ہر گوشے پر سرور نے نگاہ ڈالی ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کی ایک اہم خصوصیت ہندوستانی پن ہے۔ توتے کی روایت ہی ہندوستان کی کہانیوں سے جڑی ہوئی ہے۔ جوگی کا بیان بھی ہندوستان ہی سے وابستہ ہے اور پھر تمام رسومات اور اعتقادات تو ہندوستان ہی کے ہیں۔ جس وقت شاہزادہ جان عالم پیدا ہوتا ہے' سبھی نجومی اور پنڈت جمع ہوتے ہیں:

''نجومی پنڈت' جفر داں حاضر ہوئے' بہت سوچ بچار کر برہمنوں نے عرض کی' مہاراج کا بول بالا' جاہ و حشم ہر دم بڑھے' مرتبہ دوبالا' اعلیٰ رہے۔ ہماری پوتھی کہتی ہے بھگوان کی دیا سے' شہزادے کا چندر ماں بلی ہے۔ چھٹا سورج ہے جو گرہ ہے وہ بھلی ہے دیگ تیگ کا مالک رہے۔ دھرم مورت یہ بالک رہے۔ جلد راج پر براجے۔۔۔۔''

ہندو راجاؤں کی طرح نوابین اودھ بھی نجومیوں اور پنڈتوں پر یقین رکھتے تھے۔ جان عالم کی شادی کے لیے بھی نجومی مہورت نکالتے ہیں۔ پنڈتوں اور نجومیوں کے بیان کے وقت سرور ہندی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔

سرور نے جان عالم اور انجمن آرا کی شادی کی تیاریاں اور رسومات کا اس قدر تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ اس کی مدد سے ''رسوم لکھنؤ'' کے عنوان سے ایک علاحدہ مضمون تیار ہو سکتا ہے۔ ابتدا سے رخصت تک تمام جزئیات کو ایک کامیاب جزئیات نگار کی طرح سمیٹ لیا ہے۔ ان تفصیلات سے سرور کے مشاہدے کا علم ہوتا ہے۔ وہ کسی گوشے کو نظر انداز نہیں کرتے۔ ملاحظہ کیجیے شادی کے بیان کے چند منظر:

''بادشاہ نے رمّال' نجومی' پنڈت' جفر داں' جو جو علم ہیئت اور ہندسے اور نجوم میں طاق' شہرۂ آفاق تھے۔ طلب کیے اور ساعت سعید کا سوال کیا کسی نے قرعہ پھینکا' زائچہ کھینچا' شکلیں لکھیں' کسی نے پوتھی کھولی' کوئی صرف مفرد لکھ کر حساب کرنے لگا' کوئی تلا' برچھک' دھن' مکر' کنبھ مین' سیکھ' برکھ' متھن' کرک' سنگھ' کنیاں گن کر بچار کرنے لگا۔۔''

''القصہ بموجب احکام اختر شناسان بلند بیں' فلک سیر۔۔۔۔ مانجھ کا جوڑا دلہن کے گھر سے چلا مزدور سے تا فیل نشیں زن و مرد فرد فرد بالباس رنگیں' پکھراج کی کشتیوں میں زعفرانی جوڑے۔ سنہرے خوانوں میں پنیڈیاں: مقوی' مفرّح ذائقہ ٹپکتا' خوان تک بسا۔ اور دودھ کے واسطے اشرفیوں کے گیارہ توڑے۔ طلائی چوکی جواہر جڑا' زمرد نگار کٹورا بٹنا ملنے کا۔ گنگنا' بہ از عقد ثریا' در یکتا بڑا بڑا۔ لنگی ملتان کی تھی' بیل بوٹے میں گلستان کی تھی۔۔۔۔ کوسوں تک خوان سے خوان ملا۔۔۔''

مانجھے کا جوڑا زرد رنگ کا ہوتا ہے' دیگر خواتین حاضرین بھی زرد رنگ کا ہی لباس پہنتی ہیں:

''وہاں دولہا نے' یہاں دولہن نے مانجھے کے جوڑے پہنے۔ منادی نے ندا کی ''جو سفید پوش نظر آئے گا اپنے خون سے سرخ ہوگا یعنی گردن مارا جائے گا۔۔۔ رنگ کھیلنے لگے تمام خلقت ہولی کی کیفیت بھولی۔''

''اس انداز سے ساچق گئی' مہندی کی شب ہوئی۔۔۔ جڑاؤ سینیوں میں حنا' شمع مومی و کافوری اُس پر روشن' ملیدے کے خوانوں پر جوبن' آرائش و آتشبازی ہمراہ' سب کے لب پر واہ واہ' بہت چمک دمک سے مہندی لایا۔''

''محل میں برمحل رت جگے' صحنک جابجا' کونڈے' حاضری' دونے' پڑیاں منتوں کی' جس جس نے مانی تھیں کرنے بھرنے دینے لگیں۔

بارات کے جلوس کا بھی پورا منظر سرور نے پیش کیا ہے جلوس میں تفریح اور آرائش کا ہر سامان موجود ہے۔ دولہا ہاتھی پر سوار ہے۔ بارہ ہزار ہاتھیوں پر امیر و وزیر ساتھ ساتھ ہیں۔ جب دولہا کا ہاتھی دلہن کے دروازے پر پہنچتا ہے:

''پہر رات رہے دلہن کے دروازے پر پہنچے' ماما' اصیلیں دوڑیں' پانی کا طشت ہاتھی کے پاؤں تلے پھینکا' کسی نے کچھ اور ٹوٹکا کیا''۔

''قریب صبح قاضی طلب ہوا۔ بہ ساعت معین کئی سلطنت کے خراج پر مہر بندھا' طالب و مطلوب کو سلک ازدواج میں منسلک کیا۔''

''دولہا زنانے میں طلب ہوا' وہاں رسمیں ہونے لگیں۔ وہ بھی عجب وقت تھا' آرسی مصحف روبرو' محبوب دلخواہ دو بدو' سورۂ اخلاص کھلا آئینہ رونمائی میں مزے لوٹا' سلسلۂ محبت مستحکم ہورہا۔ ڈومینوں کا سٹھنیاں گانا' دولہا دلہن کا شرمانا' کبھی ٹونے' گاہ اچھے بنے سلونے' ہمجولیوں کا پوچھنا۔ ٹونا لگا؟ دولہا کا ہنس کے کہنا ''عرصہ ہوا۔ کوئی دلہن کی جوتی دولہا کے شانے میں چھواگئی۔۔۔۔''

''جس دم یہ رسمیں ہوچکیں۔ پھر ڈومینوں نے پاہونی گائی۔ سب کی چھاتی بھر آئی۔ دلہن سے رخصت ہونے لگے' رو رو جی کھونے لگے سواری تیار ہو کے دروازے پر آئی' دولہا نے سہرا سر سے لپیٹ دلہن کو گود میں اٹھایا' سب کا دل امنڈ آیا' شور و غل مچایا۔''

جب دلہن دولہا کے یہاں پہنچتی ہے:

''اب گھر پہنچنے کی ریت رسم ہونے لگی۔ دولہا دلہن جب اترے' بکرا ذبح کیا' انگوٹھے میں لہو لگا دیا' پھر کھیر کھلائی۔ رسموں سے فرصت پائی۔''

شاہزادی انجمن آرا کے جان عالم کے ساتھ اپنے وطن سے روانہ ہونے کے منظر کو مفصّل علاحدہ ایک باب میں رقم کیا گیا ہے۔ اس جلوس کی تفصیلات دستاویزی حیثیت رکھتی ہیں۔ شاہی جلوس کا یہ تاریخی منظر تاریخ کی کسی کتاب میں دستیاب نہیں ہوگا۔ یہاں سرور نے اپنے وسیع مشاہدے کا مکمل اظہار کیا ہے۔ سید وقار عظیم فرماتے ہیں:

''سرور نے شادی کے اہتمام اور اس کی مختلف تقریبوں کا ذکر دل کھول کر کیا ہے اور ہر ذکر میں زندگی کی صداقت اور بیان کی لطافت کو شیر و شکر کر کے اس کی لذت دونی کی ہے۔ اس لذت کا انداز اس لطف سے بالکل جدا ہی ہے جو فسانۂ عجائب کے تمہیدی حصے کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے۔'' (ہماری داستانیں' ص 374)

ہندوستان کی تہذیب میں موجود مذہبی' نیم مذہبی تصورات اور غیر مذہبی توہمات اور اعتقادات کی جھلکیاں بھی ''فسانۂ عجائب'' میں نظر آتی ہیں۔ شادی بیاہ' شہر و بازار کے علاوہ بھی جو مناظر سرور نے ''فسانۂ عجائب'' میں پیش کیے ہیں وہ حقیقی تصاویر معلوم ہوتے ہیں۔کبھی وہ جنگل کا بیان کرتے ہیں اور کبھی موسموں کی تصویر کشی کرتے ہیں۔گرمی کے موسم کا حال اس طرح لکھا ہے:

''ریت کی گرمی سے تلوے جلتے تھے۔۔۔ پیاسوں کی دوڑ دھوپ میں جان جاتی تھی۔صدائے زاغ و زغن سے سناٹا' دھوپ کا تڑاقا' دشت کا پتھر تپنے سے انگارا تھا جانور ہر ایک پیاس کا مارا تھا۔وہ تابش شمس جس سے ہرن کالا ہو' مذکور سے زبان میں چھالا ہو۔بادسموم سے وحشیوں کے منہ پر سیہ تاب تھا۔۔۔۔ چوپائے ایک سمت ہانپتے تھے گرمی کے خوف سے کانپتے تھے۔''

اسی طرح ایک مقام پر سردی کا بیان کرتے ہیں کہ سردی کی وجہ سے چرند پرند بھی آشیانوں میں بھوکے پیاسے بیٹھے ہیں۔بات منہ سے نکلتے ہی جم جاتی ہے۔سرورؔ کی تفصیل دیکھ کر کبھی کبھی ''سب رس'' کی یاد آتی ہے۔''سب رس'' میں ہر چیز کی تفصیل اتنی زیادہ ہے کہ مضمون کی شکل میں اسے داستان سے علاحدہ کر کے بھی دیکھ سکتے ہیں۔

''سب رس'' میں عشق کی تفسیر لکھی گئی ہے۔سرورؔ بھی عشق کی تعریف میں کافی وقت صرف کرتے ہیں لکھتے ہیں:

''بیان اس کا محال ہے' مگر مختصر سا یہ حال ہے۔عقل اس کام میں دور ہو جاتی ہے' وحشت نزدیک آتی ہے۔لب خشک' چشم تر' چہرہ زرد' دل خون ہوتا ہے۔بھوک پیاس مر جاتی ہے۔خواب میں نیند نہیں آتی ہے۔جانِ شیریں تلخ ہو' کلیجے میں درد' آخر کو جنون ہوتا ہے۔۔۔۔تنہائی کی رات پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔دل جلتا ہے' شجر تمنا بے برگ و بار رہتا ہے۔پھولتا ہے نہ پھلتا ہے۔۔۔عشق کم بخت بے پیر ہے' او! نوجوان یہی ٹیڑھی کھیر ہے۔۔۔۔ذلّت اس کام میں عین عزت ہے' درد کا نام یہاں راحت ہے۔دل اس کشمکش میں ٹوٹ جاتا ہے۔رستم کا اس معرکے میں جی چھوٹ جاتا ہے۔۔۔۔''

''سب رس'' کے بیان میں فکر اور گہرائی زیادہ ہے اور ''فسانۂ عجائب'' میں خارجی اثرات پر زیادہ توجہ دی گئی ہے' کیونکہ یہاں عشق مجازی ہی کے بیان کو فوقیت حاصل ہے۔

جیسا کہ کہا گیا داستانیں بزم اور رزم کے بیان کا مجموعہ ہیں بزم کا بیان چھوٹی بڑی ہر داستان میں موجود ہے لیکن رزم سے متعلق تفصیل عام طور پر طویل داستانوں جیسے ''داستان امیر حمزہ'' یا ''بوستان خیال'' میں ہی بیان کی گئی ہے۔چھوٹی چھوٹی داستانیں جنگ کے واقعات کو سرسری طور سے بیان کر کے آگے بڑھ جاتی ہیں۔''فسانۂ عجائب'' جس عہد یا ماحول میں لکھی گئی وہاں بزمیہ ماحول ہی باقی رہ گیا تھا شاہانِ مغل اور نوابین اودھ اس لائق ہی نہیں رہے تھے کہ جنگ کر سکیں' وہ تو محض حرم سرا کی رونق بن کر رہ گئے تھے۔اس کے باوجود سرور نے ایک ایسی جنگ کی منظر کشی کی ہے جو مغلوں کے عہد عروج کی جنگ معلوم ہوتی ہے اور نسوانی خصوصیات رکھنے والا جان عالم بھی اسی زمانے کا شاہزادہ لگنے لگتا ہے۔لیکن یہاں سرور نے بادشاہان وقت کے اوپر طنز بھی کیا ہے۔وہ یہ کہ جب جادوگرنیاں مقابلے کے لیے صف آرا ہوتی ہیں تو سرورؔ لکھتے ہیں:

''انہیں دیکھ کے جان عالم کا جی کلبلایا''

لفظ ''جی کلبلانا'' میں بھرپور طنز ہے۔یعنی یہاں شہزادے کی غیرت جاگتی ہے اور مجبوراً آمادۂ جنگ ہوتا ہے کہ موت اگر آئے تو بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے آئے۔یہاں سرور اپنے عہد کے نوجوانوں سے مخاطب نظر آتے ہیں کہ شاید پھر وقت کچھ کروٹ بدلے اور نوجوانان ہند کو اپنے زوال کا احساس ہو کہتے ہیں:

''دلاورو! آج عرصۂ جنگ، جگہ نام و ننگ کی ہے۔ دنیا میں زندگی چار دن ہے۔ لڑنے بھڑنے کا نوجوانو یہی سن ہے۔ کسی کو بقا بجز ذات خدا نہیں، ہمیشہ دنیا میں کوئی جیتا رہا نہیں۔ شعر۔

رستم رہا زمیں پہ نہ سام رہ گیا

مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا''

اس بیان سے سرور کی اپنی شخصیت بھی جھلکتی ہے۔ وہ خود ایک اچھے تلوار باز تھے۔ ہمیشہ ہتھیار اپنے پاس رکھتے تھے۔ شاید اسی لیے جنگ کے منظر کو خاصی دلچسپی سے بیان کیا ہے، لکھا ہے:

''پلٹنوں کی خاطر مورچے درست کیے، توپوں کے لیے دمدمے باندھے، جھانکی لگائی۔ کہیں سرنگ کا پوشیدہ رنگ جمایا، باروت کو بچھایا۔۔۔ صف کارزار، موت کا بازار آراستہ ہوا۔ راس و چپ پانچ پانچ سو ہاتھی مست، پٹے سونڈوں میں، ایک ایک پہلوان قوی ہیکل زرہ پوش، گرز گراں، کوہ شکن بردوش ان پر سوار۔ پھر پلٹنیں اور توپخانہ آیا۔ انہیں قرینے سے جمایا، کیا کیا توپ، فلک شکوہ، سورج جھنکار اور نانک متے کے، گردوں گرداں پر چوٹ کرنے والی۔ مدد کو ہوٹ کوسوں کی چوٹ کی اور غبارے جس کا گولہ قصر زنگاری میں اتارے۔ پھر سواروں کے پرے میں میمنہ ومیسرہ، قلب وجناح، ساقہ وکمیں گاہ درست کردیا۔ آگے ہراول، پیچھے سواروں کے پیدل، فوجوں کے دل، نقیب چار سو سے نکلے، کلّے سے کلہ، کنوتی سے کنوتی، پٹھے سے پٹھا، دم سے دم، سم سے سم ملایا، نشان برداروں نے علم سبز و سرخ زرافشاں کو جلوہ دیا۔''

جان عالم کے پرچم پر مچھلی کا نشان ہے جو نوابین اودھ کے پرچم پر بھی تھا۔

شاہزادہ بھی بڑے پرشکوہ انداز میں میدان جنگ میں آتا ہے:

''جان عالم بھی بصد جاہ و حشم اسپ پری پیکر پر جلوہ گر ہوا، چتر زرنگار بالائے سر، تاج شہریاری کج کرکر، شمشیر برق دم زیب کمر، فولادی سپر پشت پر۔ بائیں ہاتھ میں مرکب رشک صرصر کی عناں، دہنے میں نیزۂ اژدہا پیکر دوزباں، فتح و نصرت جلو میں،۔۔۔۔ چہرے پر رعب و جلال کشورستانی۔۔۔

میدان جنگ میں شاہزادہ اپنے جوہر دکھاتا ہے گھمسان کی لڑائی ہوتی ہے۔ شہپال جادوگر مارا جاتا ہے۔ جان عالم فتحیاب ہوتا ہے۔ میدان جنگ کے یہ کارنامے سرور نے ماضی کی یادگار کے طور پر بیان کیے ہیں۔ وہ جنگ کے بیان میں ایسے سپاہیوں کا بھی حال بیان کرتے ہیں جو اسی عہد کے تھے اور جن کا ذکر اس زمانے کے شعرا نے شہرآشوب میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''میاں! جی ہے تو جہان ہے، نوکری نہ ملے گی، بھیک مانگ کھائیں گے، جانیں کہاں پائیں گے، حرمت گئی تو گئی جان تو رہے گی، لہو کی ندی بدن سے نہ بہے گی، یہی نا کوئی نامرد کہے گا، آبرو جائے گی جی تو رہے گا۔ یہاں کی بگڑی کہیں اور بنالیں گے، تیر تلوار کی گولی بچا کر گالیاں کھالیں گے۔۔۔ جونکیں لگانے میں ہمارے ماں باپ بھنگ پلاتے تھے۔ معجون کھلاتے تھے، کسی کی فصد کھلی دیکھ کر ہمیں غش آتے تھے۔ ہم تو دوست ہو یا دشمن، دونوں کی خیر مانگنے والے ہیں۔ سب سے پہلے معرکے سے بھاگنے والے ہیں۔ ہمیشہ گالی گلوچ کو خانہ جنگی، دھول دھپّے کو میدان داری سمجھے۔ لڑائی بھڑائی سے کبھی بھڑ کے نہ نکلے۔ تمام عمر بدن میں سوئی نہ گڑی۔ گالیاں کھا کھا کے زندگی کی، بے غیرتی کا بھلا ہو، جس نے آج تک جان سلامت رکھی اس پر قسمت نے یہ دن دکھایا۔ خدا نے ہمیں ہیجڑا کیوں نہ بنایا۔''

یہ اس دور کے نوابین اودھ جوزنانہ لباس بھی پہنا کرتے تھے اوران کے سپاہیوں کی کیفیت کا بیان ہے۔ یہاں سرور کے بیان میں ایک کرب بھی شامل ہے کہ اپنی قوم کی بربادی کا تماشا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ سرور کا مشاہدہ بہت وسیع تھا انھوں نے ایک طویل عمر گزاری تھی۔ لکھنؤ کا عروج و زوال ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسی لیے رجب علی بیگ سرور کی یہ داستان اودھ کی مشترکہ گنگا جمنی تہذیب کے مرقعوں سے آراستہ ہے۔ اسلوب کے علاوہ ''فسانۂ عجائب'' کی عظمت کا ایک راز اس میں ہم عصر معاشرت کا واضح بیان بھی ہے۔ سرور نے اردو نثر کو نہ صرف ایک نیا اسلوب دیا بلکہ لکھنؤ کی تہذیبی تاریخ مرتب کردی۔ اسی سبب سے سرور اپنے ہم عصر داستان گویوں میں منفرد نظر آتے ہیں۔

### اپنی معلومات کی جانچ

1. فسانۂ عجائب کس سنہ میں لکھی گئی؟
2. شہزادہ جان عالم کس کا بیٹا ہے؟
3. ''فسانۂ عجائب'' کی کردار نگاری میں کوئی غیر معمولی تابناکی نہیں'' کس کا قول ہے؟
4. ''فسانۂ عجائب'' کا اسلوب کیسا ہے؟
5. سرور نے ''فسانۂ عجائب'' میں جن رسومات کا بیان کیا ہے ان میں سے چند کے نام لکھیے۔

## 7.5 نمونۂ اقتباسات برائے تشریح

### الف

''نجومی، پنڈت، جفرداں حاضر ہوئے۔ بہت سوچ بچار کر برہمنوں نے عرض کی: مہاراج کا بول بالا؛ جاہ و حشم ہر دم بڑھے، مرتبہ دوبالا، اعلیٰ رہے؛ ہماری پوتھی کہتی ہے: بھگوان کی دیا سے شہزادے کا چندرماں بلی ہے۔ چھٹا سورج ہے۔ جو گرہ ہے وہ بھلی ہے۔ دیگ تیگ کا مالک رہے۔ دھرم مورت یہ بالک رہے۔ جلد راج پر براجے۔ پرتھمی میں دھوم مچے، ایسی شادی رچے۔ استری تین ہو۔ دوکا پرمان، ایک کی ہین ہو۔ مگر پندرھویں برس مشتری بارھویں آئے گی؛ سنیچر پاؤں پڑے گا۔ ایک پنکھیرو سوئے کے برن میں ہاتھ آئے گا۔ تریا کی کھٹ پٹ سے وہ بچن سنائے گا کہ راج پاٹ چھڑا، دیس سے بدیس لے جائے گا۔ ڈگر میں شاہزادہ بھٹکے گا، کوئی مانس پاس نہ پھٹکے گا۔ ساتھی چھٹیں۔ اپنے ڈیل سے ڈانوا ڈول رہے۔ پھر ایک منکھ، ٹھاکر کا سیوک کرپا کرے، راہ لگائے۔ کوئی کلنکن، لوبھی ہو، کشٹ دکھائے۔ وہاں سے جب چھٹے، رانی ملے مہا سندر؛ وہ چرن پر پران وارے۔ پتا اس کا گیانی، گن کی تکھتی دے؛ اس سے کئی ملیچھ مارے، دکھ میں آڑے آئے، بگڑے کاج بنائے۔''

### ب

''بعد طی منازل و قطع مراحل ان کا گزر ایک دشتِ عجیب، صحرائے غریب میں ہوا۔ ہر تختہ جنگل کا بہ روشِ باغ تھا۔ جو پھول پھل تھا؛ تازہ کن دل، معطر نمائے دماغ تھا۔ جہاں تک پیک نگاہ جاتا، بجز گل ہائے رنگین و یاسمن و نسرین اور کچھ نظر نہ آتا۔ شہزادہ شگفتہ حاضری سے صناعی باغبانِ قضا و قدر کی دیکھتا جاتا تھا۔ ناگاہ ایک سمت سے دو ہرن برق وش، صبا کردار، سبک جست، باچشم سیہ مست، تیز رفتار سامنے آئے۔ زربفت کی جھولیں پڑیں، جڑاؤ سنگوٹیاں جڑیں۔ گلے میں مغرق ہیکلیں۔ مثل معشوق طناز عربدہ ساز، سرگرم خرام ناز، چھم چھم کرتے، چوکڑیاں

بھرتے۔ جان عالم بچین ہوا' وزیر زادے سے کہا: کسی طرح ان کو جیتا گرفتار کیجیے' جانے نہ دیجیے۔ اس سعی میں گھوڑے ڈالے۔ یا تو وہ اپنی وضع پر چلے جاتے تھے؛ جب گھوڑوں کی آمد دیکھی؛ سنبھل کنوتیاں بدل' چوکڑی تیز باجست و خیز بھرنے لگے۔ انہوں نے گھوڑے ڈپٹائے۔ ان کا گھوڑے دوڑانا' وہ طائر فرزانہ چوکڑی بھول کے پکارا: ہاں ہاں' اے نوجواں! کیا غضب کرتا ہے! یہ دشت پر سحر ہے' بیہودہ کیوں قدم دھرتا ہے! ہر چند پکارا' مگر سناٹے میں کسی نے نہ سنا' تو تے نے لاکھ سر دھنا۔ آخر مجبور ایک درخت کی ٹہنی پر بیٹھ رہا' وہ چلے گئے۔"

ج

"غرض نوشہ سوار ہوا' شور وغل یک بار ہوا۔ کسی نے کہا: سواری جلد لانا! کوئی پٹکا' شملہ سنبھال' خدمت گار کو پکارا کہ ہاتھی دٹھانا! پلٹنیں آگے بڑھیں' عربی باجے بجنے لگے۔ کوس وکور گرجنے لگے۔ نوبت و نشان' ماہی مراتب' جلوس کا سامان۔ سواروں کے رسالے دو رویہ باگیں سنبھالے۔ خود اپے' اٹنے' بیش قرار درماہے دار۔ پھر ہزار بارہ سے تخت رواں' تمام تمامی سے منڈھا؛ ان پر رنڈیاں جوان جوان' شادی مبارک گاتیں؛ سج دھج دکھا' طبلے بھڑ بڑھاتیں۔ بہت سے سانڈنی سوار تیز رفتار۔ خاص بردار: خاصیاں کندھوں پر' دولھا کے برابر۔ ان کے قریب برچھے والے' بان دار' چوبدار۔ روشن چوکی والے: شہنائیں پر تکلف' سرزالے۔ ہزاروں غلام زرین کمر' سنہری رپہلی انگیٹھیاں ہاتھوں میں؛ جھولی میں عنبر سارا' عود غرقی بھرا' سارا شہر مہکتا۔ گرد ہزار ہا پنج شاخہ پھنکتا' سونے چاندی کی دستیاں روشن' مہتموں پر جوبن۔ قور میں چالیس بادشاہ پرشوکت وجاہ۔ پیچھے بارہ ہزار ہاتھیوں پر امیر وزیر' ارکان سلطنت' ترقی خواہ۔ خواصی میں انجمن آرا کا بھائی' جانِ عالم کا سالا بجائے شہ بالا۔ آہستہ آہستہ' قدم قدم خوش و خرم چلے۔ کوچہ و بازار بو باس سے معطر تھا۔ چرخ گرداں دیدۂ دید بانِ چارُم سے تماشائی تھا' یہ سامان تھا۔ دشت کا وحش وطیر حیران تھا۔"

### اپنی معلومات کی جانچ

1. اقتباس (الف) کی زبان اور اسلوب کا تجزیہ کیجیے۔
2. اوپر دی گئی عبارتوں سے کوئی چار مقفیٰ جملے ڈھونڈھ کر نکالیے اور لکھیے۔
3. اقتباس (ج) کی عبارت کا فنی تجزیہ کیجیے۔

## 7.6 خلاصہ

رجب علی بیگ سرور 1200ھ بمطابق 1786ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اس دور کے رواج کے مطابق عربی' فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ شاعری' موسیقی اور فن سپہ گری سے بھی دلچسپی اور واقفیت تھی۔ خود شعر کہتے تھے اور آغا نوازش حسین خاں نوازش کے شاگرد تھے۔ لیکن ان کی تمام تر شہرت "فسانۂ عجائب" کی وجہ سے ہے۔ فسانۂ عجائب کے علاوہ سرور کی دیگر تصانیف شگوفۂ محبت' گلزار سرور' شبستان سرور' شرار عشق اور فسانۂ عبرت ہیں۔ ان کے خطوط کا مجموعہ انشائے سرور کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ "شگوفۂ محبت" ہر چند کھتری کی تصنیف قصۂ ملک محمد و گیتی افروز سے ماخوذ ہے۔ اس میں اسی طرح کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو روایتی طور پر داستانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد سرور نے ملا محمد رضی تبریزی کی فارسی تصنیف "حدائق العشاق" کا ترجمہ کیا۔ یہ ایک تمثیلی داستان ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے یہ کتاب "فسانۂ عجائب" سے بے حد قریب ہے۔ سرور نے الف لیلیٰ کا "شبستان سرور" کے نام سے ترجمہ کیا۔ ان کی دوسری تصانیف کے برعکس اس کتاب کی زبان سادہ اور سہل ہے۔ ان داستانوں کے علاوہ سرور نے "شرار عشق" کے نام سے

ایک مختصر قصہ بھی لکھا۔ سرورؔ کی ایک اور تصنیف ''فسانۂ عبرت'' تاریخی نوعیت کی کتاب ہے اس میں اودھ کے آخری چار بادشاہوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ سرورؔ کی آخری تصنیف جو دراصل فارسی کی کتاب ''شمشیر خانی'' کا اردو ترجمہ ہے ''سرور سلطانی'' کے نام سے ہے۔

سرور کی تمام تر شہرت ''فسانۂ عجائب'' کی وجہ سے ہے۔ یوں تو یہ بھی روایتی طرز کی ایک داستان ہے جس کے قصے میں کوئی نیا پن نہیں ہے لیکن اس کی سب سے اہم خصوصیت اس کی مقفیٰ، مرصع اور مسجع نثر ہے۔ اس کا پلاٹ اکہرے پن کا حامل ہے اور اس میں وحدت اور تسلسل دونوں ہیں۔ سرور نے داستان کے تمام اجزا کا لحاظ رکھا ہے یعنی اس میں دوسری داستانوں کی طرح بادشاہ، شہزادے، شہزادیاں، وزیرزادے، جادوگر، مافوق الفطرت عناصر وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کے کردار متحرک کردار قرار دیے جاسکتے ہیں۔ شہزادہ جان عالم بہادری، دلیری اور عزم و حوصلہ جیسی خصوصیات رکھتا ہے لیکن مزاج میں نسوانیت بھی پائی جاتی ہے۔ انجمن آرا مشرقی اوصاف رکھنے والی ایک حسین دوشیزہ ہے۔ اس کے کردار میں کوئی خاص بات نہیں پائی جاتی۔ ''فسانۂ عجائب'' کا سب سے فعال اور جاندار کردار ملکہ مہر نگار کا ہے جو دور اندیشی اور موقع شناسی جیسے اوصاف کی حامل ہے۔ ملکہ کا کردار ایک حقیقی انسان کا کردار ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کا امتیاز اس کے اسلوب اور معاشرت کے بیان ہی میں مضمر ہے۔ مقفیٰ، مرصع اور مسجع نثر، فارسی تراکیب کا استعمال اور استعاروں کی نکتہ سنجی نے اس داستان کو ایک شاہکار بنادیا ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' میں لکھنؤ کی معاشرت کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ شادی بیاہ کی رسمیں ہوں کہ عقاید و توہمات کی باتیں۔ زیورات اور ملبوسات کا بیان ہو یا کھانوں کا ذکر سب کچھ وہی ہے کہ جو اس دور کے لکھنؤ میں تھا۔ ''فسانۂ عجائب'' کی عظمت کا اسلوب کے علاوہ ایک راز اس میں ہم عصر معاشرت کا واضح بیان بھی ہے۔ سرور نے اردو نثر کو نہ صرف ایک نیا اسلوب دیا بلکہ لکھنؤ کی تہذیبی تاریخ بھی مرتب کردی۔

## 7.7 نمونۂ امتحانی سوالات

درج ذیل سوالوں کے جواب تیس تیس سطروں میں دیجیے۔

1. ''فسانۂ عجائب'' لکھنوی معاشرت کی عکاسی کرتی ہے۔'' اس قول پر معہ امثال تبصرہ کیجیے۔
2. ''فسانۂ عجائب'' کے اسلوب اور زبان کی اہم خصوصیات پر ایک مضمون لکھیے۔
3. ''باغ و بہار'' اور ''فسانۂ عجائب'' کے اسلوب کا تقابلی مطالعہ کیجیے۔
4. دیے گئے اقتباسات میں سے کسی ایک کی تشریح اس طرح کیجیے کہ زبان و بیان کے جملہ محاسن سامنے آسکیں۔

درج ذیل سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں دیجیے۔

1. رجب علی بیگ سرور کے حالات زندگی مختصراً تحریر کیجیے۔
2. بحیثیت مجموعی سرور کی ادبی خدمات کا ذکر کیجیے۔
3. فسانۂ عجائب کی کردار نگاری پر روشنی ڈالیے۔
4. ''فسانۂ عجائب'' کے قصے کا خلاصہ لکھیے اور پلاٹ کی خصوصیات پر تبصرہ کیجیے۔

## 7.8 فرہنگ

| الفاظ | | معانی |
|---|---|---|
| مسجع | = | قافیہ والی عبارت |
| مقفیٰ | = | قافیہ والی عبارت |

| | | |
|---|---|---|
| مرصع | = | خوش بیانی سے بھرا |
| روزمرّہ | = | روزانہ کی بات چیت |
| علم نجوم | = | ستاروں کا علم |
| عُسرت | = | پریشانی |
| متن | = | لکھی ہوئی عبارت |
| طبع زاد | = | اپنے ذہن سے |
| استفادہ | = | فائدہ حاصل کرنا |
| لاشعوری | = | خودبخود |
| غیر شعوری | = | بے ارادہ |
| غیر مربوط | = | بے ربط |
| مافوق الفطرت | = | غیر فطری |
| معاملہ فہمی | = | معاملہ کی سمجھ |
| متانت | = | سنجیدگی |
| مضمر | = | چھپا ہوا |
| نُکتہ | = | تہ کی بات |
| ایہام | = | ذومعنی |
| ابہام | = | گول مول بات کرنا |
| تفننِ طبع | = | تفریحاً |
| سہلِ ممتنع | = | آسان |
| جزئیات | = | حصے۔ تفصیل سے |
| شہر آشوب | = | شہر یا آبادی کی تباہی کا بیان |

## 7.9 سفارش کردہ کتابیں


1. ڈاکٹر نیر مسعود — رجب علی بیگ سرور
2. ڈاکٹر اطہر پرویز (مرتب) — فسانۂ عجائب
3. پروفیسر گیان چند جین — اردو کی نثری داستانیں
4. پروفیسر وقار عظیم — ہماری داستانیں
5. ڈاکٹر ابن کنول — داستان سے ناول تک


..................